افادات مولانا سمیع الحق صاحب

شمائل نبوی کی ایک حسین اور جامع تصویر

نجی اور عوامی زندگی — نظام الاوقات — سیرت و سنّت کی حفاظت
کامیاب ترین انسان بننے کا لیگل فریم ورک

درس حدیث ۲۸ ، اکتوبر ۱۹۸۱ء

> ۲۷ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء دارالعلوم میں اعلیٰ سرکاری افسران کا ایک تربیتی کورس ہوا۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے ان لوگوں کی مناسبت سے حضور اقدس ﷺ کے بارہ میں شمائل ترمذی کی ایک جامع اور موثر ترین حدیث کا درس اس جماعت کو دیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اس درس کو احقر نے ٹیپ ریکارڈ سے من وعن ضبط کیا اور اب قارئین کی نظر ہے — محمد ابراہیم فانی

(خطبہ) قرآن کریم الف لام سے والناس تک حضور ﷺ کے مکارم اخلاق کا بیان ہے۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت حضور اقدس ﷺ کی بعثت ہے دوسری نعمت یہ کہ اللہ نے ختم نبوت کے ذریعہ انسانوں کو قیامت تک ایک ایک نقطہ پر جمع کر دیا کہ نہ نئے نئے مذہب پیدا ہوں نہ گروہ بندیاں اور جماعتیں بنیں۔ سارے انسان اس ایک ذات کی شخصیت پر جمع ہوں۔

اب ختم نبوت کے لئے ضروری تھا کہ ایک تو حضور اقدس ﷺ کی زندگی ایسی مثالی ہو جو قیامت تک ہر دور کے لئے اسوہ ہو سکے، اور نمونہ بن سکے۔ نئے نئے انکشافات اور اکتشافات اور نئے ترقیات، یہ سب کچھ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ ہی میں ہونا تھا جو قیامت تک ہے۔ قیامت تک معلوم نہیں کہ کیا کیا فلسفے، کیا کیا نظریات اور کیا کیا تحقیقات ظاہر ہوں تو حضور ﷺ کی تعلیمات اور سیرت و شخصیت ایسے ہر دور کے لئے نمونہ ہونی چاہئے۔ کہ ہر زمانہ اس کو اپنا پیشوا بنا سکے۔ اس لئے شخصیت تو ہر لحاظ سے جامع عطا فرمائی۔ پھر اس سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی تھی کہ حضور اقدس کی تعلیمات اور شخصیت کو محفوظ کرا دیا جائے۔ تو یہ شرف بھی صرف حضور اقدس کو حاصل ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحے کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ جب آپ دیگر انبیاء کرام، بڑے بڑے ریفارمر اور مصلحین کے ساتھ موازنہ کریں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ اللہ نے اس امت کے لئے کتنا بڑا انتظام فرمایا ہے۔

گوتم بدھ کا ایک دور گذرا ہے اور اتنا بڑا دور کہ پورے ایشیا اور مشرق بعید پہ وہ پھیلا ہوا تھا۔ کابل کی دور دراز پہاڑیوں، سوات کی بلند و بالا دشوار گذار چوٹیوں میں جاکر دیکھیں کہ ان کے پیروؤں نے پہاڑ تراش تراش کر ان کے بُت بنائے۔ اس کی تہذیب و تمدن کے نشانات آج بھی مشرق بعید، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، سنگاپور اور چین میں موجود ہیں۔ جاپان اس کے زیر اثر رہا۔ کتنی بڑی شخصیت ہوگی؟ اور کیسا بڑا انقلابی رہنما ہوگا؟ مگر بدھ مت والوں کے پاس گوتم بدھ کے بارے میں بنیادی ضروری معلومات بھی نہیں۔ تعلیمات، ارشادات اقوال اور ساری شخصیت تو بڑی بات ہے۔ وہ یہ بھی متفقہ طے نہ کر سکے کہ وہ پیدا کہاں ہوئے۔ ان کی تعلیم کیا تھی؟ اور کہاں کہاں پائی؟ ان کے صحابہ کون تھے؟ کہاں کہاں ان کی زندگی گذری، کوئی چیز قطعی اور واضح نہیں۔ قیاسات کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ ہمارے ایک محقق بزرگ نے ذوالکفل کو گوتم کا مصداق کہا۔ کہ کپل ہمالیہ کے دامن میں ایک گاؤں ہے عربی میں پ کو ف سے بدل دیا جاتا ہے تو ذوالکفل یعنی "کپل والا" الغرض یہ سب اندازے ہیں اٹکل پچو کہتے ہیں جیسے

یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ عیسائیوں کے پاس ان کی زندگی کے بارہ میں قطعی معلومات نہیں ہیں۔ کہ ساری زندگی اور تعلیمات کے بارہ میں مستند معلومات موجود ہوں۔ نہ کوئی ایسی کتاب قطعی مستند موجود ہے۔ کہ وہ ہی ان پر نازل ہوئی۔ اس وقت ان کی انجیلوں کا بڑا غلغلہ ہے۔ اور "اناجیل اربعہ" کو بنیادی چیز سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان کا بھی ایسا ہی حال ہے جیسے ہمارے طلبہ درس میں استاد کی تقریر کا نوٹس لیتا ہے۔ املائی تقریر نوٹ کرتا جاتا ہے تو بعض واعظین اور مسیحی پادریوں نے اپنی اپنی کاپیاں مرتب کیں۔ ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ ہی حضرت مسیحؑ کی انجیل ہے۔ چلتے چلتے یہ انجیلیں اتنی بڑھ گئیں کہ سینکڑوں تک تعداد پہنچ گئی۔ اور کوئی سند کوئی روایت کوئی تاریخی حیثیت ان کی بالکل نہ تھی۔ جیسے ہمارے ہاں پشتو اور پنجابی وغیرہ میں نور نامہ، جنگ نامہ قسم کی چیزیں عوام میں رائج ہیں۔ کہ اکثر لکھنے والوں کا نام بھی معلوم نہیں۔ تو خود عیسائی انجیلوں کی اس کثرت سے پریشان ہو گئے۔ کہ ہمارے پاس حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا کوئی متفقہ نسخہ ہونا چاہیئے۔ ان سینکڑوں انجیلوں سے ہم کیسے حق کو تلاش کر سکیں گے؟ اور کیسے ہدایت پا سکیں گے؟ ان اناجیل اربعہ کا انتخاب کیسے ہوا۔ آپ تاریخ کے واضح اور مستند حوالوں سے اس کی تفصیل پڑھ کر سمجھ لیں گے؟ پھر آپ اپنے دین اور رسول کی سیرت کا اس سے موازنہ کر سکیں گے۔ کہ ہمارے دین کی سندی اور استنادی حیثیت کے لئے ہمارے صحابہ اور تابعین وغیرہ اکابر نے کیا کچھ کیا۔ اور اس میدان میں اوروں کا کیا حال ہے تو لکھا ہے کہ قسطنطین اعظم نے ایک کونسل بنائی تھی مشرقی روم میں اس کے تین سو ممبر تھے۔ اس مذہبی کونسل میں بڑے بڑے پادری اور مذہبی رہنما شام اور الجزائر تک کے شامل تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر رفع کے ۳۲۵ سال بعد اس کونسل کا اجلاس ہوا کہ انجیلوں کی چھانٹی کی جائے اس کے بارہ میں ہر طریقہ اور تجویز زیر بحث آئی مگر بے سود۔ بالآخر غلط اور صحیح انتخاب کے لئے یہ طے پایا کہ تمام مروجہ اناجیل ایک بڑی میز ایک تپائی پر رکھ دیئے جائیں۔ اس طرح ایک ڈھیر لگا دیا گیا۔ کہ ہر ایک نے اپنا اپنا نسخہ لاکر اس پر رکھا۔ یہ تین سو پادری میز کے ارد گرد سجدہ میں گر پڑے۔ اور بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ گڑگڑا کر کہنے لگے کہ جو جھوٹی ہے سو گر جائے۔ جو جھوٹی ہے سو گر جائے۔ جو جھوٹی ہے سو گر جائے۔ یہ گویا منتر پڑھنا شروع کیا پھر وہ میز ہلانے لگے تو اس سے باقی سارے اناجیل گر گئے اور موجودہ چار انجیل میز پر رہ گئے۔ یہ ہے ان انجیلوں کی استنادی اور تاریخی حیثیت پھر یہ لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں ہمارے دین پر۔ ہماری روایات پر کہ جنتر منتر اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ تو اپنی آسمانی کتاب منتخب کی۔ پھر یہ بھی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس وقت کونسل کے ان تین سو پادریوں میں سے ایک دو کا انتقال ہو گیا تھا۔ تو اناجیل پر سب کا اتفاق کرانے کے خیال سے یہ چاروں انجیل ان پادریوں کی قبر پہ جا کر رات کو رکھ دیئے گئے۔ اور دعا کرتے رہے کہ یا اللہ ان کی بھی تائید حاصل ہو جائے۔ لکھا ہے کہ صبح دیکھا تو ان کتابوں پر ان کے دستخط ثبت تھے۔ یہ ہے ان کی مذہبی اثاثہ کی حالت جو نہ عقل میں آنے والی چیز او

نہ سمجھ میں یہ سارا ڈرامہ مشرقی روم کے نیقیہ نامی مقام پر ہوا جسے فیلس بھی کہتے ہیں۔

یہی حال ہندو مذہب کا ہے کہ ان کے مذہبی راہ نما کون تھے؟ کہاں سے یہ مذہب چلا؟ کیا اصول تھے اور کون بانی تھے؟ عجیب بے سروپا داستانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کہیں آسمانوں اور بادلوں سے کوئی نمودار ہوتا ہے کہیں غاروں میں اور کہیں سانپ کے منہ میں مذہبی تعلیمات اور صحیفوں کا کوئی ورق آپ کو مل جائے گا۔ کبھی سمندروں سے کوئی دیوتا نمودار ہو کر گرجے اور برسے گا۔ یہ ہے ہندو مت کی روایتی حیثیت۔

پھر ان سب کے مقابلہ میں اپنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھئے کہ پیدائش سے وفات تک ہر لمحہ محفوظ ہے اگر تاریخ وار اور سن وار اسے کوئی مرتب کرنا چاہے تو ان ۶۳ سالوں کی پوری زندگی اور گویا متحرک فلم آپ کو مل سکتی ہے۔ ہر ہر صحابی اپنے اندر حضورؐ کی حیات طیبہ کو جذب کرتا تھا۔ ساری عادات، حرکات و سکنات تمام اقوال جو جو لفظ بھی ان کی زبان مبارک سے نکلتا سارے کا سارا صحابہ کرام اسے محفوظ کر لیتے۔

میں کبھی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر صحابی کو گویا حضورؐ کا ٹیپ ریکارڈ بنا دیا تھا۔ ان کو اللہ نے حافظہ بھی ایسا دیا، قوت جذب اور طلب و جستجو اور ولولہ بھی ایسا دیا کہ یہ سب کچھ محفوظ کیا جا سکے۔ پھر جب اللہ تبارک تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ:۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ کہ حضورؐ کی ذات تمہارے لئے ایک بہترین آئیڈیل ہے سچا شاندار اور صحیح نمونہ تو اس آئیڈیل کو اللہ نے قائم بھی رکھنا تھا۔ ورنہ آج ہم چودہ سو سال بعد کہہ سکتے تھے کہ یا اللہ وہ نمونہ کیسا تھا؟ کہ ہم اس پر چلیں ہم کہہ سکتے کہ وہ نمونہ کتنا اعلیٰ کیوں نہ تھا۔ مگر اب تو ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں۔ تو اتمام حجت تو اللہ کی طرف سے نہ ہو سکتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں یہ اتمام حجت بھی کرا دوں گا کہ کوئی چیز ان کی تم سے مس نہ ہو گی تو حضور اقدسؐ کے الفاظ و اقوال اور احادیث کے بارہ میں ایک مستقل علم پیدا ہوا۔ ایک عظیم الشان علم، کہ اس علم کی تشریح و تفصیل، تحصیل و تائید کے لئے مزید بے شمار علوم پیدا ہوئے کہ اس علم حدیث کے معاون علوم ہیں ان میں سے ایک علم اسماء الرجال ہے یعنی حدیث و سیرت کا جو بھی کوئی راوی ہے صحابہ کرام میں یا تابعین یا تبع تابعین یا بعد کے روات بلکہ حدیث کی اس کتاب ترمذی کے مصنف و مرتب تک جو بھی اسناد ہیں۔ اور سند میں اشخاص ہیں اور جتنے بھی اساتذہ ہیں تو اسلامی تاریخ کے اس علم اسماء الرجال میں ان تمام راویوں کے حالات زندگی بھی منضبط و محفوظ ہیں۔ تو صرف حضورؐ کی زندگی نہیں بلکہ جو بھی ذرا سے اس زندگی کے کسی ایک ذرہ سے ٹچ ہوا تو اس کی زندگی بھی محفوظ کر دی گئی۔ کسی صحابی، کسی راوی سے اگر ایک بھی حدیث روایت ہوئی تو اس کی بھی ساری زندگی کریدی گئی۔ ٹٹولی گئی۔ اور کھنگالی گئی۔ کہ اس نے تعلیم کہاں اور کن لوگوں سے حاصل کی۔ کہاں کہاں علم کے لئے سفر کیا۔ کن کن مدارس میں رہے۔ حافظہ کیسا تھا۔ تقویٰ کا کیا حال تھا۔ عدالت میں کیا مقام تھا ان سب چیزوں کو ریکارڈ کیا گیا اس سے علم بنا۔ اسماء الرجال کا۔ تو اسلام کے بڑے بڑے مخالف یہود و نصاریٰ

اور انگریزوں نے بھی اعتراف کیا جو دشمن بھی ہیں اسلام سے انہیں عناد بھی ہے اسلام اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ۔ مگر وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا۔ امت مسلمہ کا ایسا محیر العقول کارنامہ ہے کہ کوئی اور امت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی یہ لارڈ اسپرنگر ایک سکالر ہے، مصنف ہے۔ پھر بہت بد باطن اور عنادی شخص بھی ہے اسلام کے بارہ میں۔ اس نے لائف آف محمد کتاب لکھی جو شاید حضور کے بارہ انگریزی میں پہلی کتاب ہے۔ اور کتاب بھی عناد سے بھری ہوئی ہے اسی اسپرنگر نے علم اسماء الرجال میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاصابۃ کو ایڈٹ کیا۔ اس کتاب کے دیباچہ میں جو اس نے لکھا ہے۔ اسپرنگر نے واضح اعتراف کیا ہے کہ یہ صرف اس امت کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر کوئی امت پیش نہیں کر سکتی۔ کہ اپنے نبی کی تعلیمات کو بیان کرنے والوں کے بھی حالات محفوظ و مرتب کئے۔ اور تقریباً ۵ لاکھ افراد کے سوانح مرتب کئے۔ اسپرنگر کے خیال میں تقریباً ۵ لاکھ رواۃ و اشخاص کے حالات محفوظ ہیں۔ ہمارے اپنے زمانہ میں تحریکیں چلتی ہیں۔ چھوٹی بڑی باتیں حوادث انقلابات علاقوں میں اٹھتے ہیں۔ انقلابی پیدا ہوتے ہیں۔ سماجی رہنما اٹھتے ہیں۔ مگر یہیں اس تحریک کے ارکان زعما۔ ان کے تلامذہ رفقا کے حالات معلوم نہیں ہوتے نہ مرتب کر سکتے ہیں۔ اور وہاں جو ذرا بھی پیچ ہوا حضور اقدس ﷺ سے اور کوئی ایک جملہ بھی حضور کا روایت کیا تو اس کی پوری زندگی کی کتاب کھول کر رکھ دی گئی۔ ایک راوی کی ایک روایت ایک دفعہ رد کر دی گئی تو اگر صحیح بھی ہو مگر یہ راوی اس لئے ثقہ نہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ گھوڑے کو اپنا دامن اور جھولی پھیلا کر بلایا گویا کہ اس میں جو اور اناج ہے اسے کھالو۔ اور حقیقت میں دامن خالی تھا۔ تو علماء نقد و جرح نے کہا کہ راوی اگرچہ اچھا خاصا عالم ہے، محدث ہے دیندار ہے مگر اس کی روایت اس لئے مقبول نہیں کہ جب اس نے اس طرح اشارہ کر کے گھوڑے کو ایک گونہ دھوکا دیا تو یہ ایک دھوکے کی صورت ہوئی۔ جب کہ حدیث کی روایت کرنے والوں کو ایسا بھی نہیں کرنا چاہئے۔ کہیں وہ آگے چل کر ہمارے ساتھ روایت حدیث میں کوئی ایسی صورت اختیار نہ کر بیٹھے۔ انتہائی احتیاط کا یہ عالم ہے

تو یہ جو منکرین حدیث ہیں ان کو تو یہ صورت حال معلوم نہیں کہ کن کن مراحل سے یہ احادیث گذریں۔ الغرض یہ پانچ لاکھ رواۃ بقول اسپرنگر کے جب کہ ایک محتاط اندازہ ہے۔ اور وہ تو تعداد کم کرنا چاہتا ہوگا۔ ورنہ ایک اندازہ ہے کہ دس لاکھ رواۃ کے حالات اس علم میں منضبط ہیں۔

یہ الاصابۃ یہ تہذیب التہذیب یہ تقریب التہذیب جیسی ضخیم کئی کئی جلدوں کی کتابیں اسی علم کی ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک لاکھ کے لگ بھگ صحابہ حجۃ الوداع میں جمع تھے۔ تو علامہ سید سلیمان ندوی نے کہیں لکھا ہے کہ ان میں سے گیارہ ہزار صحابہ کے حالات دستیاب ہیں۔ اگر کسی ایک سے ایک بھی حدیث کہیں نقل ہوئی ہے تو ان کے حالات معلوم کر کے محفوظ کر دئیے گئے۔

تو بہر حال حضور کی سیرت کے بارہ میں ان لوگوں نے پوری محنت فرمائی۔ سب کچھ سامنے رکھ کر احادیث کو محفوظ کیا

پھر دلائل النبوت یعنی حضورؐ کی حقانیت رسالت پر مستقل علم قائم ہوا۔ اس کتاب شمائل ترمذی کا تعلق علوم حدیث کے ایک خاص شعبہ سے ہے۔ اس کو علم الشمائل کہا جاتا ہے۔ شمائل یعنی حضورؐ کے خصائل و عادات اخلاق و کمالات اور خاص طور سے حضور اقدسؐ کی شکل و شباہت کیسی تھی، رنگ کیسا تھا؟ بال کیسے تھے۔ انگلیاں ہتھیلیاں، قدموں کے تلوے۔ دانت آنکھیں ابرو۔ سینہ۔ شانہ مبارک۔ بازو۔ سر اور گردن وغیرہ۔ الغرض حضورؐ کا ایک ایک خد و خال اس علم میں منضبط و محفوظ ہے۔ بیٹھنے اٹھنے کس طرح تھے؟ سونے کا انداز کیا تھا؟ رفتار کس طرح تھی۔ ایک ایک بات کے بارہ میں آپ کو مستقل باب ملیں گے۔ عجیب و غریب ایک متحرک فلم بھی ایسا نقشہ نہیں پیش کر سکتی۔ کتنے بال سفید تھے۔ پھر کتنے سفید ہوئے؟ آخر عمر میں کیا حالت تھی تو یہ علم الشمائل پہلی صدی سے منضبط اور مدون ہوا ہر دور میں کتابیں اور اس کے شروح و حواشی لکھی جاتی رہیں۔ تو ہمارے امام ترمذی نے بھی یہ کتاب شمائل ۲۷۹ھ میں لکھی۔ اس وقت سے اب تک یہ متواتر اور محفوظ اور متداول چلی آرہی ہے۔ بڑی اہمیت اس کو علماء نے دی اس کو اللہ نے خاص مقبولیت دی۔

تو حضورؐ کی صفات عالیہ کی ہر ہر ادا ہمارے سامنے ہے۔ کہ وہ اسوۂ حسنہ ہے اور اس طرح خود حضور اقدس نے بھی اشارہ فرمایا کہ میری چال ڈھال، ہر ہر ادا اور نقل و حرکت اور طور طریقہ تمہارے لئے نمونۂ عمل اور قابل اتباع ہے۔ اور اس بات کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کہ حضور اقدسؐ کسی راستہ میں تشریف لے جا رہے تھے تو ایک صحابی عبید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر اٹھاؤ کہ اس سے ظاہری نجاست سے اور باطنی غرور و تکبر سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضورؐ تھے اور فرما رہے تھے ارفع ازارك اپنی لنگی ٹخنوں سے اوپر رکھو اس لئے کہ حضورؐ کو اس کا بھی اہتمام تھا۔ کہ ہمارے لباس، چال ڈھال میں تکبر اور غرور والی صورتیں نہ ہوں۔ یا اسراف ہو، فضول خرچی ہو، نظافت نہ ہو۔ اسی ضمن میں حضورؐ نے بڑی تاکید فرمائی کہ شلوار اور تہہ بند ٹخنوں سے اوپر رکھو۔

تو اس صحابیؓ نے حضور اقدسؐ کو جواب میں کہا۔ یا رسول اللہ انما ھی بردة ملحاء حضورؐ یہ تو ایک معمولی سی چدر یا ہے۔ اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے؟ یا اس کی حفاظت کی کوئی اتنی ضرورت کیا ہے۔ جیسے زمیندار یا کاشتکار کام کاج کے وقت تہہ بند باندھتے ہیں۔ تو اس صحابی کا بھی مقصد یہ تھا کہ یہ میلا کچیلا اور بوسیدہ تہہ بند اگر ٹخنے سے نیچے بھی ہو جائے تو اس میں تکبر کی بات نہیں آئے گی۔ نیا ہو تو خراب ہو گا، پھٹ جائے گا۔ یہ تو ایک پھٹی چادر ہے دو پیسے کی چادر میں کیا تکبر کروں گا۔

دوسری توجیہہ علماء نے یہ بھی کی ہے۔ کہ شاید کوئی قیمتی چادر تھی۔ جیسے آج کل اونی کمبل وغیرہ نقش و نگار والے کمبل کو اگر آپ بیچ سے کاٹ دیں تو سارا کمبل خراب ہو جائے گا۔ نقشہ خراب ہو جائے گا۔ عرض لمبا ہے تو چھوٹا کرنا

مناسب نہیں۔ الغرض دونوں صورتوں میں حضورؐ نے جواب میں فرمایا:-
امالك في اسوۃ کہ تمہارا عقل جو بھی کہے، تمہارا فلسفہ جو بھی کہے۔ اور تمہارے فیشن اور تہذیب کے جو بھی تقاضے ہوں۔ لیکن کیا میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہوں۔ مجھے دیکھئے، اور باتیں چھوڑ دیجئے۔ چادر پرانی ہے یا قیمتی ہے؟ جب میری ذات نمونہ ہے تو اسی کو نمونہ بنائے رکھو۔ پھر حضورؐ نے سمجھایا کہ اسے اونچا رکھو۔ آدھی پنڈلی کھلی رہے اور اگر طبیعت اتنی نہ مانے فیشن پر مائل ہو۔ تو چلو قدرے اور نیچے رہے۔ مگر ٹخنوں سے تجاوز نہ کرے تو یہ امالك في اسوۃ سے معلوم ہو گیا کہ حضورؐ نے زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں، کھانے پینے اور اوڑھنے میں بھی چاہا کہ میرا نمونہ اختیار کیا جائے۔ اب یہ نمونے ہمارے سامنے اس علم (شمائل) میں موجود ہیں۔

بہرحال اس عظیم الشان ذخیرے میں یہ ایک حدیث مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ کہ جس میں حضورؐ کا ایک نظام الاوقات ہے۔ انضباطِ کار ہے۔ تو ہر مسلمان جس کو جو بھی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے سپرد کی۔ اگر اس حدیث کو فریم کرا کر سامنے رکھے تو یہ ایک قسم زندگی کا مکمل فریم ورک ہے۔ اگر اسے سامنے رکھا گیا تو ایک کامیاب اور عظیم انسان کہلائے گا۔ اخلاق کا پیکر۔ کامیاب ترین سیاستدان کہلا سکے گا۔ ایک کامیاب اور با ایڈمنسٹریٹر بن سکے گا۔ اس سے آپ کو معلوم ہو سکے گا کہ اللہ کے ساتھ کیسا تعلق، گھر کے ساتھ کیسا تعلق، مخلوق کے سا کیسا تعلق، کیسا معاملہ رکھنا چاہئے۔ تو وقت کی کمی کے پیشِ نظر میں کوشش کروں گا کہ سرسری طور پر اس کا کچھ ترجمہ ا تشریح ہو جائے۔

حدثنا۔ جميع الخ من ولد ابی ھالہ زوج خدیجہ یعنی یہ ابوہالہ کی اولاد میں سے تھے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے شوہر اور خدیجہؓ کا اس امت پر بڑا احسان ہے کہ حضورؐ کو سہارا دیا۔ مال و دولت ساری خرچ کر دی۔ اللہ نے قرآن میں اس کو سراہا۔ ابوہالہ کا بیٹا حضورؐ کا بھی سوتیلا بیٹا ہوا۔ کہ حضورؐ کے گھر تربیت پائی۔ وہ حضرت حسن ا علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ قال سألت خالی ھند یہ ہند ابوہالہ کا بیٹا ہے۔ تو حضرت حسنؓ کے ماموں بنے فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کی بیٹی حضور اقدسؐ سے ہے باقی اولاد ابوہالہ سے ہے۔ تو حضورؐ کا بھی بیٹا ہوا۔ تو حضرت حسن کا سوتیلا ماموں۔ یعنی فاطمہؓ کا بھائی وکان وصافاً عن حلیۃ رسول اللہ کہ ہمارے ماموں حضورِ اقدسؐ کے شکل و شباہت کی باریکیاں اور باریک سے باریک عادات و صفات بھی بیان کرتے تھے۔ گویا وہ اس علم شمائل کے سپیشلسٹ تھے۔ وانا اشتھی ان یصف لی منھا شیئاً دوسری جگہ اس کے ساتھ ایک جملہ اور بھی ہے اتعلق بہ کہ میرے نانا جان کی عادات و اخلاق کی تفصیل معلوم کروں اور یہ اس لئے کہ میں ان باتوں کو حجت سند بناؤں۔ اس علم سے وابستہ ہو جاؤں۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ گویا یہ کا سوال بھی اور علم بھی، علم برائے علم نہیں بلکہ علم برائے عمل تھا۔

حضور اقدس ؐ کے وصال کے وقت حسنؓ اور حسینؓ دونوں بھائی چھوٹے تھے۔ حسن کی عمر سات سال کی تھی اور حسین کی اس سے بھی کم۔ تو حضورؐ کے وصال کے بعد اجلہ صحابہ کے پاس جا جا کر دونوں تفصیلات معلوم کیا کرتے تھے۔ اس میدان میں دونوں بھائیوں میں مسابقت رہتی تھی۔ جب کہ علم اور دین میں یہ مسابقت اور حرص محمود ہے تو ہر بھائی یہ چاہتا تھا کہ میرے پاس حضور اقدس ؐ کے کچھ امتیازی معلومات ہوں۔ اور میں فسٹ آجاؤں۔ تو ایک عرصہ سے ایک نے دوسرے سے یہ حدیث چھپائے رکھی کہ دوسرے نمبر پہ لے جاؤں۔ الغرض حضرت ہند نے حضرت حسن کو یہ حدیث سنائی۔ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخما مفخما وہ اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور لوگوں کی نگاہ میں بھی عظیم تھے۔ ذاتی عظمت بھی تھی اور لوگوں کے اوپر بھی چھا جاتے تھے۔ ایسی عظمت و شوکت اور دبدبہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا یتلألأ وجهه تلالؤ القمر ليلة البدر جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے ایسا چہرۂ انور چمکتا تھا۔ اور اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ حضور کے ان محاسن میں کوئی مبالغہ آرائی یا شاعرانہ تخیلات نہیں ہیں۔ جہاں حضور کی کوئی تشبیہ آتی ہے وہ تشبیہ پوری نہیں بلکہ ادھوری ہے پھر اللہ نے پورے حسن و جمال کو ظاہر بھی نہیں کیا۔ کیونکہ پھر نگاہوں کو دیکھنے کی تاب نہ ہو سکتی۔ صحابہؓ انہی جلووں میں مدہوش ہو جاتے۔ تو تعلیمات کو کہاں ملحوظ رکھتے۔ تو درحقیقت ان تشبیہات سے بڑھ کر حضورؐ کا حسن و جمال تھا صحابہ موازنہ کرتے ہیں۔ رات کو چودھویں کے چاند کے ساتھ۔ کبھی چاند کو دیکھتے اور کبھی چہرۂ انور کو۔ تو پھر صحابہ حلفاً کہتے، کہ ہم فیصلہ نہ کر سکتے بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتے کہ حضور اقدس ؐ چاند اور سورج سے بھی بڑھ کر حسین ہیں۔

فذکر الحدیث بطولہ۔ وہ تفصیلی حدیث دوسری جگہ نقل ہے۔

قال الحسن فکتمتها الحسين زمانا۔ میں نے وہ حدیث اپنے بھائی حسین سے ایک عرصے تک چھپائے رکھی کہ اچانک اسے ظاہر کروں گا۔ تو مجھے فضیلت اور اولیت حاصل ہو جائے گی۔ ثم حدثته فوجدته قد سبقني اليه۔ مگر مجھ سے صبر نہ ہو سکا کہ صحابہؓ علم کو چھپاتے نہیں تھے۔ ایک دن یہ حدیث بیان ہی کر دی حسینؓ کے سامنے، کہ میرے پاس تو نانا جان کی یہ حدیث بھی ہے۔ حسین نے سن کر کہا۔ ارے بھائی تم کس گمان میں ہو۔ مجھے تو تم سے بھی پہلے یہ حدیث مبارک حاصل ہوئی۔ اور اس سے بڑھ کر مجھے اور بھی معلومات ہیں۔ ماموں جان ہند کے علاوہ میں نے تو اپنے ابا جان حضرت علیؓ سے بھی اس قسم کی باتیں پوچھی تھیں۔

فسأله عما سألته عنه فوجدته قد سأل اباه عن مدخله وعن مخرجه وشكله

کہ انہوں نے تو اپنے والد سے حضور کی داخلی زندگی (مدخل) گھریلو زندگی، بیوی بچوں کے ساتھ رہنا سہنا خلوت کی زندگی، نجی زندگی کیسی تھی۔ ومخرجه۔ خارجی زندگی عوامی زندگی سٹیج کی زندگی۔ جلوت کی زندگی وشکلہ شکل و صورت نہیں بلکہ شاکلہ سے ہے۔ تمام طور طریقے اس میں آگئے۔ فلم يدع منه شيئاً۔

حضرت حسینؓ نے کوئی بات پوچھنے سے نہیں چھوڑی تھی جو اسے محفوظ نہ ہو

قال الحسین فسألت ابی عن دخول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کی داخلی زندگی کے بارے میں
پوچھا۔ باہر کی زندگی تو صحابہ کرامؓ کو معلوم ہی تھی مگر اندر کی زندگی کیسی تھی؟ فقال کان اذا آوی الی منزلہ
جزّء دخولہ ثلثۃ اجزاء جب حضورؐ گھر تشریف لاتے تو جتنا وقت گذارنا ہوتا۔ مثلاً چھ گھنٹے وقت ملا تو
ان چھ گھنٹوں کو تین حصوں میں بانٹ لیتے۔ گویا ایک نظام الاوقات تھا۔ ہماری طرح بغیر پروگرام اور ڈسپلن
کی زندگی نہ تھی۔ ہر چیز کا ٹائم ٹیبل تھا۔ تو حضورؐ گھر کے اس وقت کا بھی ٹائم ٹیبل بنا لیتے۔ جزءاً للہ عزوجل
ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کر لیتے۔ کہ دو گھنٹے میں نے اللہ کی عبادت اور راز و نیاز میں گذارنے
ہیں۔ اور جزءاً لاھلہ ایک حصہ اہل و عیال کے لئے۔ یہ نہیں کہ سارا وقت عبادت میں گذر جاتے۔ اور گھر والوں
کی حق تلفی ہو وجزءاً لنفسہ تیسرا حصہ اپنی ضروریات اور راحت و آرام کے لئے رکھتے تھے۔ یہ نہیں کہ آرام
ہی نہ کیا جائے۔ ہر چیز میں اعتدال ملحوظ تھا۔ یہ نہیں کہ تبتل اور رہبانیت پیدا ہو۔

ایک صحابیہ خاتون حضورؐ کے گھر حاضر تھیں کہ حضور اقدسؐ تشریف لاتے تو حضرت عائشہؓ سے پوچھا کون
خاتون ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ حضورؐ یہ فلاں ہے۔ اور ساری ساری رات عبادت میں گذارتی اور جاگتی
ہے۔ گویا صحابہؓ کے ہاں تعارف بھی ان چیزوں (عبادت) سے ہوتا تھا۔ یہ نہیں کہ یہ فلاں نواب ہے۔ یہ فلاں
جاگیردار ہے۔ یہ فلاں افسر ہے۔ یہ ڈی پی سی اور اے سی ہے۔ بلکہ اتنی نماز پڑھتا اور اتنے روزے رکھتا ہے، اتنا
جہاد، یہ اعمال، یہ عبادات، یہ باتیں صحابہ کے تعارف اور انٹروڈکشن تھیں۔

تو فرمایا یہ بے چاری صبح تک جاگتی ہے اور پلک تک نہیں جھپکتی۔ بلکہ عبادت میں ہی مصروف رہتی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ میں تو سوتا بھی ہوں ولزوجك علیك حق و لعینك علیك حق ولنفسك علیك
حق۔ بیوی کا بھی تم پہ حق ہے آنکھوں کا بھی تم پہ حق ہے۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے جسم اور آنکھوں کو بھی
آرام کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہر چیز اعتدال پہ رکھنی ہے۔ ورنہ رہبانیت ہو جائے گی جس کی بڑی سیاہ تاریخ ہے۔
اور جو بھی فطرت کے خلاف طریقے اختیار کیے جائیں جو فطرت کے ساتھ نہ چل سکیں تو ان کا ردعمل بھی آگے چل کر
نہایت شدید ہوتا ہے رہبانیت بھی آگے چل کر فحاشی اور بے حیائی کا عظیم ذریعہ بنا۔ یہ کلیسائی نظام یہ پاپائیت
اسی کی ایک بھیانک شکل ہے۔ تو حضور اقدسؐ فرماتے ہیں۔ کہ میں تو سوتا بھی ہوں۔ میں تو کھاتا پیتا بھی ہوں میں تو
بوقت ضرورت بازاروں میں بھی جاتا ہوں۔ میں تو شادیاں بھی کرتا ہوں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کمال کی۔ کہ انسان زندگی
سے فرار اختیار کرے اور غاروں میں جا کر بیٹھ جاتے۔ تبتل اور رہبانیت کی گنجائش نہیں۔ کوئی اور بزرگ ہوتے تو
تو آتے ہی گھر میں ایک طرف بیٹھ جاتے۔ بیوی بچوں سے کہتے کہ جاؤ آرام کرو مجھے تو عبادت ہی سے فرصت نہیں

ساری رات میں نے عبادت میں گذارنی ہے۔ سارا وقت تبلیغ ہی کے لئے ہے۔ نہیں بلکہ حضور اقدس ﷺ نے اوقات بانٹ دیے تھے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے تاکہ بیوی بچوں سے پیار کی باتیں ہوں ان کی دلجوئی ہو۔ ان کی ضروریات و حوائج معلوم کی جائیں۔ گھر کے مسائل پر بات چیت کی جائے۔ اور انہیں نمٹایا جائے وجزءً لنفسہٖ یعنی ایک حصہ اپنے لئے مخصوص فرماتے۔ یعنی آرام۔ سونا اور قیلولہ۔ پھر اپنے اس حصہ میں حتی الوسع ایثار فرماتے اور کوشش کرتے کہ کچھ اوقات و لمحات اس سے بھی امت کی صلاح و فلاح کے کاموں میں صرف ہوں ثم جزّء جزءہٗ بینہ وبین الناس فیرد ذلک بالخاصۃ علی العامۃ۔ اس اپنے حصہ کو بھی دو حصوں پر اور باقی لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ کہ خصوصی صحابہ اس وقت داخل ہوتے۔ ان خواص امت کے ذریعہ سے اس وقت کے علوم و مضامین اور مشوروں کا فائدہ عام امت تک پہنچ جاتا۔ حضورؐ کی تو ساری زندگی امت کے لئے تھی۔ زندگی بھر ایک عجیب گھٹن میں گذار دی کڑھتے تھے، اندر اندر سلگتے تھے امت کے غم میں، کہ کسی طرح اصلاح ہو جائے امت کی۔ نہ آرام نہ راحت یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ خود ذکر کیا کہ لعلک باخع نفسک کیا تم غم سے اپنا گلا گھونٹنا چاہتے ہو امت کی فکر میں ایسے کڑھتے ہو ایسا غم کرتے ہو کہ تمہیں تو جیسا پھندا لگ گیا ہو۔ جیسے کسی شدید غم کی وجہ سے گلے میں پھندا سا لگ جاتا ہے۔ نہ کچھ نگل سکتا ہے نہ بات چیت کر سکتا ہے۔ اور شدید غم کی وجہ سے بسا اوقات گھٹ کر آدمی مر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتنا غم کیوں کرتے ہو تم تو امت کا حق ادا کر رہے ہو تو اتنی فکر تھی حضور کو امت کی اس لئے اپنے آرام کے اوقات بھی بانٹ لیا کرتے تھے کہ چلیے اس میں سے بھی کچھ وقت بنی نوع انسان کی بھلائی میں خرچ کر دوں۔ خواص کے ذریعے عوام کو فائدہ پہنچا دیں۔

حضرت ابوبکرؓ آتے ہیں، حضرت خالدؓ ہیں، حضرت علیؓ ہیں۔ کسی فوجی مہم کے امیر ہیں اہم ذمہ داری والے کوئی صاحب ہیں۔ ضرورت ہوتی کہ وہ لوگ کسی مخصوص وقت میں مشورہ حاصل کر سکیں۔ تو ان میں سے ایک ایک کو بلاتے اس طرح ان سے جو بات ہوتی وہ کیا ہوتی ؟ اسی امت کی صلاح و فلاح سے متعلق امور تو وہ وقت بھی اس طرح بٹ جاتا اور ان کے واسطے سے ساری امت کو پہنچ جاتا جو اب قیامت تک مستفید ہو رہی ہے ولا یدخر عنہم شیئاً اور حضور اقدس ﷺ کوئی چیز امت سے اور لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھتے تھے۔ یہ ایک باطل تصور ہے۔ بعض لوگوں اور فرقوں کے ہاں کہ ہمارے پاس مخصوص اسرار و علوم ہیں ایسا ہرگز نہ تھا۔ حضور ﷺ کسی سے کوئی علم کی بات مخفی نہ رکھتے۔ علوم الٰہیہ علوم دینیہ سب عام ہوتے۔ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ بھی ہے کہ گھر میں جو کچھ بھی ہوتا کسی نہ کسی چیز سے ملاقاتیوں کی تواضع فرماتے۔ ادخار اور ذخیرہ اندوزی نہ فرماتے کہ یہ کل میرے کام آجائے گی بلکہ جو آیا حضورؐ نے تقسیم کر دیا۔ خرچ کر دیا میزبانی میں۔ وکان من سیرتہ فی جزء الامۃ ایثار اہل الفضل باذنہ وقسمہ علی قدر فضلہم فی الدین اس خاص وقت میں یا پھر عام وقت میں جو ملاقاتوں کا ہوتا

تو سینکڑوں کا ہجوم ہوگا کھلے بندوں ہر شخص بات بھی نہیں کرنا چاہتا تو ملاقاتیوں کی ترتیب ملحوظ رکھنی ہوتی ہے تو حضور اسے ملحوظ رکھتے ایک ایک کو بلاتے ہیں یہ نہ تھا کہ جو پہلے آیا وہ پہلے ملا بلکہ ایثار اہل الفضل الخ جو فضیلت والے تھے علم میں تقویٰ میں دین میں اور جو اسلام کی خدمات اور قربانیوں میں بڑھ کر ہے۔ اس کا مقام علمی لحاظ سے اونچا ہے فضل کے معنی دنیاوی معیار نہ ہوتا۔ اہل فضل ہوتے اللہ والے، مخلوق کی بھلائی کے لحاظ سے۔ تو جس کا جتنا اونچا مقام ان چیزوں میں ہوتا تھا پہلے ان کو ترجیح دیتے تھے بلاتے ہیں۔ وقسمه على قدر الخ پھر ملاقات کا وقت بھی اسی مناسبت اور ہر مرتبہ کے لحاظ سے طے ہوتا۔ یہ نہیں کہ ہما و شما سب کو دو دو منٹ بلکہ جس کا مقام اور فضل جتنا اونچا ہے اس کو وقت بھی زیادہ ملتا جو کم ہے تو کم وقت یا اس کے مسائل کم ہیں تو کم اور زیادہ ہوتے تو زیادہ وقت۔

کسی دینی مہم میں کوئی جاتا تو زیادہ وقت۔ کسی ذاتی مسئلہ میں آیا ہے تو منٹوں میں نمٹا لیا جاتا تو فضیلت فی الدین اور ضروریات کے لحاظ سے وہ وقت تقسیم ہوتا فمنهم ذو الحاجة ومنهم ذو الحاجتين ومنهم ذو الحوائج کسی کے پاس ایک فائل ہے کسی کے پاس دو فائل ہیں کوئی بہت سی حاجتیں لے کر آیا ہے کوئی کم۔ اور امت کے سارے مسائل ضروریات اور حاجات کے مرجع آپؐ کی ذات تھی۔ تو وہ مسائل کے پلندے لے کر آتے مگر حضورؐ کو کوئی ناگواری محسوس نہ ہوتی۔ نہ یہ کہ اس وقت صرف ایک درخواست پیش کرنی ہے نہیں بلکہ سارے مسائل اور حاجات پیش کرنے کی اجازت ہوتی۔ فيتشاغل بهم ويشغلهم فيما يصلحهم والامة بس حضورؐ پوری توجہ سے ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے۔ پھر ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھتے کہ جن سے ان کا فائدہ ہو ان کی اصلاح ہوتی ہو اور ان کے ذریعہ سے آگے چل کر ساری امت کی بھی اصلاح ہوتی۔ دنیاوی دھندوں، سیر و تفریح، فضول گپ شپ اور تعیشات میں صحابہؓ کو مصروف ہونے دیتے جیسے سربراہ مملکت باہر جایا کرتے ہیں وفد ساتھ ہوتا ہے تو اگر چند منٹ بھی ہوتے ہیں تو بڑے لوگوں کے ہاں لمٹ LIMIT وقت ہوتا ہے تو صدر۔ صدر کے ساتھ مصروف مذاکرات ہو جاتا ہے۔ وزیر خارجہ، وزیر خارجہ کے ساتھ اور ہر شعبہ کا سربراہ اپنے شعبوں سے متعلقہ افراد کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں کہ اس دورے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔

تو حضورؐ کے پاس اتنا وقت تو نہ تھا کہ کوئی آیا تو گپ شپ اور لایعنی باتوں میں لگے رہیں بلکہ یک دم کام کی باتیں شروع ہو جاتیں۔ ويامرهم بذلك اوروں کے لئے بھی یہی حکم تھا کہ جن چیزوں میں تمہارا فائدہ ہو انہی باتوں میں لگے رہو۔ اور وہ باتیں کس قسم کی ہوا کرتی تھیں؟ من مسئلتهم عنه واخبارهم بالذي ينبغي لهم صحابہ کرامؓ دینی امور کے بارے میں حضورؐ سے سوالات کرتے اور حضورؐ ان کو ان طریقوں سے آگاہ کرتے جو ان کے لئے

مناسب ہوتے تھے۔ اور جن میں ان کی بھلائی ہوتی۔ ویقول لیبلغ الشاھد منکم الغائب پھر یہ بھی تاکید فرماتے کہ جو کام کی باتیں تمہیں معلوم ہوئیں۔ مسائل کا جو حل معلوم ہوا، جو علم حاصل کیا یہ خبریں جن تک نہیں پہنچیں ان تک بھی پہنچاؤ۔ یہ علم اپنے ساتھ مخصوص نہ رکھو۔ شاہد یعنی جو حاضر ہیں۔ عالم ہیں وہ غائب تک پہنچائیں۔ اگر صحابہ کو یہ حکم نہ ہوتا اور اس پر عمل نہ کرتے تو یہ حدیث ہم تک نہ پہنچتی۔

پھر فرمایا و ابلغونی حاجۃ من لا یستطیع ابلاغہا ملاقاتیوں کو یہ بھی تاکید فرماتے کہ جو بے چارے دور ہیں کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی ضروریات مجھ تک نہیں پہنچا سکتے تو جب تم لوگ میرے پاس آیا کرو تو ایسے لوگوں کی ضروریات و مسائل مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ مثلاً کوئی دور ہے، بیمار ہے یا پردہ نشین ہے۔ کوئی ہیبت اور رعب کے مارے سامنے نہیں آسکتا تو ان کی ضروریات بھی مجھ تک پہنچا دیا کرو۔

ہمارے حکام تو ایسے آدمی کو ڈانٹ دیتے ہیں کہ تمہیں اوروں کی کیا پڑی ہے اپنی بات کرو۔ مگر حضورؐ ایک ایک کو فرماتے کہ جہاں جہاں کوئی محتاج ہو، مستحق ہو، مصیبت زدہ ہو۔ مسائل کا شکار ہو تو ان کے مسائل مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ اس لئے فانہ من ابلغ سلطانا حاجۃ من لا یستطیع ابلاغہا ثبت اللہ قدمیہ یوم القیامۃ کسی نے اختیار والے کو پہنچا دیا۔ سلطان صرف بادشاہ کو نہیں کہتے ہر با اختیار سلطان ہے اگر ڈی سی ہے۔ اسے سی ہے۔ گورنر ہے۔ اس کو اپنے دائرے میں سلطان کہیں گے تسلط اور اختیار والا۔ اگر اس کو کسی نے کسی محتاج و غریب اور ضعیف کا مسئلہ پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ثابت قدم رکھے گا۔ اس کے بدلے کہ اس نے ڈگمگانے والوں کو دنیا میں سہارا دیا۔ مشکلات کی دلدل سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ثابت قدم رکھیں گے۔ یہ سفارش ہے مگر وہ سفارش نہیں جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں کا حق ہے لیکن اس کا حق مار کر اس کو دے دیں۔ باقی اگر ایک شخص مستحق ہے وہ وہاں پہنچا نہیں سکتا اپنا مسئلہ گورنر کے پاس۔ ڈی سی کے پاس۔ صدر کے پاس۔ اور آپ کسی کی حق تلفی اس سے نہیں کرنا چاہتے اور اس کی سفارش کریں۔ آپ کے چند جملوں سے اس کا کام ہو جائے تو اس کا اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔ ہم تو سفارش کا معنی یہ لیتے ہیں کہ فلاں مستحق ہے اس عہدے کے لئے مگر اس کو ہٹا دو اگرچہ وہ دیانتدار ہے۔ مگر دوسرے کو یہ منصب دے دو جب کہ اس کا حق اس کو دینا چاہئے۔ دیانت دار زیادہ وہ ہے وہ سب کچھ ہے لیکن تم کہتے ہو کہ اس کو دے دو۔ یہ سفارش جو ہے یہ مذموم ہے باقی یہ سفارش جو حضورؐ نے بیان فرمائی اس کی تو بڑی فضیلت خود حضورؐ نے فرمائی ولا یذکر عندہ الا ذالک حضورؐ کی مجلس میں باتیں بھی صرف یہی ہوتی تھیں۔ دنیوی فضول باتیں نہیں۔ ضروری اور مفید باتیں تھیں۔ ولا یقبل من احد غیرہ اور میل جول رکھنے والوں میں سے اس کے علاوہ اور باتیں بھی پسند نہ کرتے تھے۔

دنیوی باتیں، جہاد کے امور۔ مملکت کے متعلق امور۔ ڈسپلن کے انتظامی امور سے متعلق یہ باتیں بھی گناہ نہیں یہ بھی عبادت ہے۔ لیکن بے ہودہ اور فضول باتیں بے مقصد نہ کریں۔ یدخلون روّاداً ہر ایک طالب بن کر آتا۔ کسی نہ کسی چیز کا طلب گار۔ کوئی مسائل لے کر آتا۔ کوئی دین سیکھنے کے لئے آتا۔ روّاد جمع ہے رائد کی رائد کہتے ہیں طلب کرنے والا ولا یفترقون الّا عن ذواق حضورؐ سے الگ نہ ہوتے ان سے واپس نہ جاتے مگر کچھ نہ کچھ چکھا ہوتا۔ ذواق کہتے ہیں چکھنے کو۔ اس کے دو مطلب ہیں۔ حضورؐ کے گھر میں ہر وقت فقر تھا، لیکن پھر بھی کسی نہ کسی چیز سے مہمان کی تواضع فرماتے۔ حضورؐ کی اتنی غیرت اور حمیّت تھی اور مہمان داری کا یہ عالم کہ ٹھنڈا پانی اگر ہے اور ایک کھجور ہے کم از کم وہ چکھ لو۔ کوئی ملنے والا ان سے بغیر چکھے نہیں جا سکتا تھا۔ کہ گھر پہ آیا ہوا کوئی بھی مہمان ہو اسے اس طرح نہیں واپس کرنا چاہئے۔ ایک مطلب یہ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ اپنے دامن میں لے کر جاتے۔ وہ خالی دامن آتے اور دامن بھر بھر کر لے جاتے۔ اپنے اپنے ظرف اور اپنے اپنے دامن کی وسعت کی بات تھی۔ تو جو کوئی آتا بالکل محروم نہ جاتا کچھ نہ کچھ حصّہ دین کا لے کر جاتا۔ علم اور دین کے فائدے لے کر جاتا۔ و یخرجون ادلّۃ اور پھر جب وہ واپس جاتے تو ہر ایک ایک عظیم رہنما ہوتا۔ دلیل دلالت علی الخیر کرنے والا ہر ایک روشنی کا مینار بن کر چلا جاتا۔ خیر اور رہنمائی، بھلائی کی باتیں بیان کرنے والا۔ قال فسالتہ عن مخرجہ پھر میں نے ان سے پوچھا حضور اقدسؐ کی عوامی زندگی کیسی تھی۔ جب باہر تشریف لاتے تھے سٹیج پہ، جلسے میں، اجتماع میں کیف کان یصنع فیہ تو اس وقت حضورؐ کے کیا معمولات تھے قال کان رسول اللّٰہ یخزن لسانہ الّا فی ما یعنیہ اس نے کہا کہ حضورؐ باہر بھی اپنی زبان محفوظ رکھتے تھے۔ سوائے ضروری باتوں کے ما یعنی ان باتوں کو کہتے ہیں جن سے کوئی دینی فائدہ ہو یا دنیوی فائدہ ہو۔ بامقصد باتوں میں تو زبان خرچ کرتے تھے اور لا یعنی (بے مقصد بے کار) باتوں سے اجتناب کرتے تھے۔ زبان کو قیمتی خزانہ کی طرح رکھتے تھے۔ یخزن لسانہ زبان تو ایک قیمتی خزانہ ہے۔ اور اس کو ہم ایسے ہی لٹاتے ہیں۔ تو اس کو اگر ہم نے صحیح مصرف پر لگایا تو بہت عظیم چیز ہے اور غلط جگہ پر خرچ کیا تو حضورؐ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان گپ شپ میں ایسی بات کہتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ اور جہنم کے آخری اور نچلے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر لوگ زبان قینچی کی طرح چلاتے ہیں اور حصائد الالسنۃ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا بغیر سوچے سمجھے کسی کی آبرو ریزی کی۔ کسی کی غیبت کی۔ کسی پہ تہمت لگائی۔ کسی پر الزامات تراشے تو حصد کہتے ہیں کھیت کاٹنے کو۔ اب گندم جس چیز سے ہم کاٹتے ہیں اسے ہم پشتو میں لور کہتے ہیں یعنی درانتی۔ تو یہ زبان درانتی ہے اور کیا کاٹتا ہے جتنی عبادات اس نے کی ہیں نمازیں، روزے، حج جو اخلاق، جو اعمال جو نیکیاں تھیں وہ کاٹ دیں اس درانتی نے۔ اس وجہ سے ہم کامیاب نہیں ہوتے جس طرح درانتی چلاتے ہیں اور سارے کئے کرائے پر پانی پھیر

لیتے ہیں۔ تو یہاں حضور اقدس کے بارے میں ارشاد ہے۔

کہ وہ بلا مقصد ایک جملہ بھی نہیں استعمال کرتے تھے ویؤلفهم حضورؐ ملنے والوں کو، اپنی رعایا کو اور اپنے زیر اثر لوگوں کو مانوس فرماتے۔ ولا ینفرهم ان کو اپنے سے متوحش اور متنفر نہیں کرتے تھے۔ ان کی تالیف قلب کا انتظام کرتے تھے۔ ان کو اپنے دل کے ساتھ لگاتے تھے۔ ان کو اپنے قریب لاتے تھے ایسا نہیں کہ کوئی آیا، ذرا نامناسب بات دیکھی تو اسے ڈانٹا اور دھمکایا کہ تو نے داڑھی کیوں مونڈھی ہے۔ فلاں عیب کیوں ہے۔ جیسے بعض حضرات کسی کو دیکھتے ہی شور مچاتے ہیں کہ سر کے بال ایسے کیوں رکھے ہیں۔ اور تم نے فلاں جرم کل کیا تھا۔ کل تم نے چوری کی تھی اور پھر بھری مجلس میں اسے رسوا کرتے ہیں تو حضور اقدسؐ بھری مجلس میں کسی پر تنقید نہیں کرتے تھے۔ مجسم حیا تھے اور عفت و مروت کا پیکر تھے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:۔

جیسے ڈولی میں دلہن ہوتی ہے۔ جس حالت میں گھونگھٹ میں ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ حضورؐ کا حیا تھا باتیں کرنا رو در رو بڑی بات تھی۔ اتنا شرمیلا پن تھا۔ کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب نہیں ہوتے تھے، عموماً نیچے دیکھتے مجسم حیا تھے۔

ایک صحابی آئے ان کے کپڑوں پر حضورؐ نے کچھ رنگ و روغن دیکھا جو مناسب نہیں تھا مردانہ لباس کے ساتھ۔ مردانگی کے ساتھ کچھ ایسا رنگ یا لباس۔ جب وہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو حضورؐ نے دوسروں سے کہا، تم لوگ اسے سمجھاتے کیوں نہیں تم اسے سمجھا دو تو بہتر ہوگا۔ یعنی خود رو در رو تنقید بھی گوارا نہ کرتے۔

اب اگر ایک مولوی صاحب ممبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وعظ میں سب کو ڈنڈے سے ہانک رہے ہیں۔ اور گالی گلوچ نکال رہے ہیں اس سے کیا فائدہ؟ ہر شخص میں خامیاں تو ہوتی ہیں۔ مجلس میں بیٹھتے ہی اسے ملحد اور زندیق بنا دیا تو وہ دوسرے دن کیا آئے گا؟ ہرگز نہیں۔ جب کوئی ملاقاتی آپ کے پاس آیا اور آپ نے درشت لہجہ میں اور سختی سے اس سے بات چیت کی تو آئندہ وہ آپ کے پاس کیسے آئے گا۔ آپ کیسے اپنے فرائض سے سبکدوش ہوں گے ــــ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

بشروا ولا تنفروا۔ لوگوں پر آسانی پیدا کرو۔ لوگوں پر تنگی نہ لاؤ۔ جو کامیاب مصلحین ہیں وہ تو جو بھی آتا ہے، گنہگار ان کو پتہ ہے کہ بدترین گنہگار اور مجرم ہے مگر وہ ان کو سینے سے لگاتے ہیں ان پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے ہیں وہ ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اور وہ کہتا ہے کہ بھئی تم تو بہت بڑے بزرگ ہو تم تو بہت بڑے ولی ہو۔ پاک ہو۔ تو وہ خود اپنے دل میں سوچنے لگتا ہے نادم ہوتا ہے اور کھچ کر چلا آتا ہے۔ تو حضورؐ اقدس کے پاس جو بھی آتا بڑے سے بڑا ملحد اور فاسق و فاجر وہ ایسا کھچ کر آتا کہ پھر وہیں کا ہو جاتا

زندگی کا ایک پہلو سیاسی زندگی
یہ صرف تالیف قلب ہے وبکرام کریم کل قوم ویولیته علیهم عوامی
ہوتی ہے۔ محوجہ عوامی زندگی۔ تو جس قوم کا جو معزز ہوتا تھا حضورؐ اسے بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ ہمارا نظام
سیاسی اسی وجہ سے ابتر ہے۔ ہنگامے اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کسی قوم نے ایک شخص کو اپنا ملک بنایا۔ خان بنایا
سردار بنایا۔ اور سارا قبیلہ اس پر راضی ہے۔ کہ یہ ہمارا رہنما ہے، ممبر ہے۔ یہ ہمارا نواب ہے یہ ہمارا افسر ہے۔ اب
حضورؐ ڈنڈا لیتے اور اسے مارتے کہ نہیں میں نے جب مکہ فتح کر لیا۔ اور اسلام آگیا تو تم کون ہو ہٹ جاؤ اس منصب
سے معزول ہو جاؤ۔ میں اپنے افراد تم پر حاکم بناؤں گا۔ آگے وہ لوگ دلوں میں متنفر ہوتے یا نہ۔ وہ قبائلی نظام تھا
اگر ذراان کے رہنما اور سردار کی طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھتے تو حضورؐ کے دشمن ہو جاتے۔ نہ اسلام پھیلتا۔ تو کسی
قوم کا جو معزز ہے اسے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے۔
ہمارے اس سردار کے ساتھ نمائندگی کا کیا معاملہ کرتے
اب وہ قوم دیکھتی ہے کہ فلاں افسر ہے فلاں حاکم ہے وہ
شخص شرعاً نااہل نہ ہوتا۔ قوم نے اسے اپنا
ہیں ویولیه علیهم پھر جب وہ علاقہ مقبوضہ ہو جاتا تھا اور وہ
نمائندہ بنایا تھا۔ تو حضورؐ بھی اعلان فرما دیتے کہ ہماری طرف سے بھی یہی والی ہے۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں
بنگلہ دیش والوں نے منتخب کیا مجیب الرحمن کو۔ اب انہوں نے اسے معزز سمجھا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا حاکم اور
والی یہ ہوگا۔ اور ادھر سے ہنگامہ مچ گیا کہ نہیں اُدہر تم اِدہر ہم۔ وہ جب کہتا ہے کہ میں پاکستان میں ہوں اور پارلیمنٹ
ایک ہو۔ مجھے قوم نے چنا ہے تو تم کون ہو مجھے ہٹانے والے۔ اس سے سارا بحران آیا۔ کتنا عظیم بحران۔ اور پاکستان
دو ٹکڑے ہو گیا۔
کیا۔ اور ادھر بھٹو
پھر یہاں صوبہ سرحد میں لوگوں نے ایک پارٹی کو منتخب کیا اور بلوچستان میں دوسری کو منتخب
صاحب نے اعلان کیا۔ کہ ان کے گورنروں کو میں نہیں چھوڑتا۔ ان کے گورنر ہٹا دئے۔ آپ کو پتہ ہے کہ دوسرا نظ
بحران اس سے شروع ہوا اور یہ ساری رسہ کشی اب تک جاری ہے۔ ورنہ جمعیۃ علمائے اسلام نیشنل پارٹی اور پیپلز
پارٹی کا اتحاد ہوتا۔ اور آگے یہ بحران نہ پیدا ہوا ہوتا۔ تو سات سال کتنے استحکام اور ترقی سے گزرے ہوتے ملک
کا نقشہ ہی اور ہوتا راتوں رات آرڈر آ گیا کہ فلاں قوم کا حاکم ہٹا دیا گیا ہے۔ بزنجو ہٹ گیا۔ ادھر وہ گرم ہو
کہ یہ کون ہے۔ ہم نے چنا ہے خراب ہے یا اچھا ہے یا صحیح ہے۔ اب تم بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ تو یہی ہ
حضورؐ کے فیصلوں سے پیدا ہوتی تو شیرازہ تہس نہس ہو جاتا۔ تو یہ بڑے قیمتی الفاظ ہیں۔
تو حضورؐ ہر قوم کے معزز اور سردار اور خان اور ملک جوان کا بڑا ہوتا اس کا ا
وبکرام کریم کل قوم
کرتے۔ کہ بھئی ٹھیک ہے۔ ویولیه علیهم اور اسی کو پھر ان کا نگران اور نمائندہ والی بناتے۔ کہ چلو یہی والسرائے ہے
نمائندہ ہے۔ ہمیں بھی یہ منظور ہے۔ جمہوریت اور خود اختیاری اور شخصی ووٹ کا کتنا اکرام۔ یہ ووٹنگ کا

طریقہ تھا۔ ایک قوم نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ تو آپ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں جب تک وہ بنیادی مقاصد کے خلاف نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ چلتے رہیں تب تو آپ کامیاب ہوں گے۔ اگر آپ نے ڈنڈا لیا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر وہ سیاست کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ویحذر الناس اور لوگوں کو ڈراتے بھی تھے۔ اللہ کے عذاب سے، برائیوں سے اور ظلم سے کہ اس کے نتائج خراب ہیں۔ بداعمالی کے نتائج خراب ہیں۔ محتاط رہو، چور اُچکے سے محتاط رہو۔ ان تمام چیزوں کے بارے میں بھی محتاط رہا کرو۔ ایسے سادہ لوح مت ہو کہ کوئی بکس اٹھا کر لے جائے۔ کوئی کپڑے اٹھا کر لے جائے۔ کوئی زمین پہ قبضہ نہ کر لے۔ ہر وقت محتاط اور بیدار رہو۔ مطلب یہ ہے ویحترس منھم خود بھی حضور بہت محتاط رہتے۔ خود کو لوگوں کے تکلیف یا نقصان سے محفوظ رکھتے۔

ملاقاتی ہزاروں قسم کے آتے تو آپ دیکھتے کہ قاتلانہ ارادہ سے تو نہیں آیا۔ یا کوئی ایسی بات میں کہوں کہ راز ظاہر ہو جائے۔ اور کل یہ دوسری جگہ ساری بات پہنچا دے۔ تو آپ کے ساتھ تو ساری زندگی ہیں، عوامی زندگی میں ایسے لوگ آئیں گے تو صحیح حکمران اور رائٹ منسٹر یہ وہ ہے جو لوگوں کے بارے میں محتاط رہے۔ اپنے آپ کی بھی حفاظت کرے۔ بعض آدمی ہر قسم کی بات کہتا ہے ہر شخص کو ایک دم دوست بنا لیتا ہے۔ ہر شخص کو اپنا رازدان بنا لیتا ہے۔ آگے جا کر اس کو ٹھوکر لگتی ہے تو المومن لا یخدع ولا یُخدع کہ مومن نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھا سکتا ہے۔ تو حضورؐ خود بھی محتاط رہتے تھے۔ خوب پتہ ہے کہ دشمن ہے۔ اور یہ خطرناک ہے۔ پھر اس کے سامنے میں کیوں ادھر ادھر کی باتیں کروں لیکن اس کے ساتھ آگے مکارم اخلاق کی ایک عجیب بات ہے جب ایک شخص آیا مشتبہ قسم کا۔ اور پتہ بھی ہے کہ یہ گڑبڑ قسم کا آدمی ہے۔ محتاط تو ہو گئے ملاقات میں۔ لیکن بشاشت میں اور ظاہری خلق میں اور چہرے کی بشاشت میں کوئی فرق نہ آتا۔ اسی طرح تپاک سے ملتے، اسی طرح محبت سے ملتے۔

حضورؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا کہ فلاں آیا ہے ملاقات کے لئے۔ تو حضورؐ نے کہا کہ یہ بدترین آدمی ہے۔ اپنی قوم کا شریر ترین آدمی ہے۔ تھا وہ خطرناک قسم کا۔ مطلب یہ بھی تھا کہ حضرت عائشہ بھی محتاط ہو جائے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے۔ حکومت تھی نظام تھا۔ غیبت کی نیت سے نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ بڑا خطرناک قسم کا آدمی ہے۔ پھر حضرت عائشہ پردے میں چلی گئیں۔ اور اس شخص کو بلایا۔ جب وہ آیا تو حضورؐ بڑے تپاک سے ملے۔ اور بڑے اخلاق عالیہ سے ملے۔ پھر حضرت عائشہؓ آئیں جب وہ باہر چلا گیا اس نے یہ منظر دیکھ لیا تھا تو حضورؐ سے کہا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ مگر آپ تو بڑی محبت سے ملے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ بدترین آدمی وہ ہے جسے لوگ اس وجہ سے چھوڑ دیں کہ اس کا میل جول ٹھیک نہیں۔ اس کی پیشانی پر بل آجاتے ہیں۔ اور بدخلقی سے پیش آتا ہے۔

اب اگر بد خلقی سے لوگ اسے چھوڑ دیں اور کنارہ کش ہو جائیں ان من شر الناس کہ وہ بدترین لوگوں میں سے ہے۔ تو اس کی حقیقت تو ہمیں معلوم ہے حضورؐ نے فرمایا کہ خراب ہے۔ تو ہم محتاط ہوں گے۔ مگر ہمیں بد خلقی کی کیا ضرورت تھی کہ ملاقات میں بھی ہم وہ انداز اختیار کرتے جو یہاں بھی جس قسم کا آدمی آتا من غیب ان یطوی علی احد منھم بشرہ ولا خلقہ بغیر اس کے کہ پیشانی پر بل آجاتے۔ چہرہ متغیر ہو جائے۔ اور اخلاق میں فرق محسوس ہو جائے۔ یہ نہیں کرتے تھے۔ کھلی پیشانی سے اور ہنسی سے محبت سے ملتے۔ ویتفقد اصحابہ اور صحابہ کرامؓ کے حالات بھی دریافت کرتے تھے۔ جو صحابی نہیں آیا تو پوچھا کہ فلاں صحابی نظر نہیں آیا۔ ان کی طبیعت کیسی ہے۔ ان کے گھر میں مریض تھا۔ ان کا کیا حال ہے۔ ان کا فلاں مقدمہ تھا۔ ان کا فلاں مسئلہ تھا۔ تو سارے ملک اور رعایا اور صحابہ ایک ایک کو کرید کرید کر حالات معلوم کرتے۔ تو ایک صحیح حکمران اور ایڈمنسٹریٹر وہ تو پاؤں پھیلا کر سوتے کا نہیں آرام سے۔ وہ تو ملکی حالات اور ساتھیوں پر نگاہ رکھے گا۔ اس کو تفقد کہتے ہیں۔

ویسئل الناس عما فی الناس لوگوں سے یہ بھی پوچھتے کہ باہر حالات کیا ہیں۔ جیسے آج کی اصطلاح میں کہیں کہ اخبار بھی پڑھتے۔ انٹلی جنس کی رپورٹیں اور یہ ساری معلومات تو ایک حکمران کے لئے ضروری ہیں تو حضورؐ کی مجلس میں جو بھی آتا اس سے پوچھتے کہ بھائی فلاں علاقہ میں اور فلاں قبائل میں گندم کا نرخ کیا ہے۔ خشک سالی تو نہیں ہے۔ بارش ہوتی ہے یا کوئی نئی صورت حال تو نہیں ہے اور بازار کے نرخ کیسے ہیں۔ اخلاقی حالت کیسی ہے دینی حالت کیسی ہے۔ ملک کیسے حالات میں ہے کہاں تک ترقی ہوئی ہے۔ یسئل الناس عما فی الناس۔ یہ نہیں کہ ایک مولوی جو مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جائے اور باہر سے آنکھیں بند کرلے۔ بلکہ ایک صحیح بیدار اور منظم نظام تھا

ویحسن الحسن ویقویہ اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کو تقویت پہنچاتے۔ ایک بڑی خرابی یہ ہے انسان کی ہم لوگ تو حزب اختلاف میں ہو جاتے ہیں تو پھر ڈنڈا لے لیتے ہیں کہ کوئی فرشتہ بھی ہے بس مارو کہ یہ خبیث سے بڑھ کر خبیث ہے۔ اگر اس نے اچھا کام بھی کیا تو اچھا نہ کہیں کہ کوئی اچھائی نہیں مانتے۔ اور اگر حزب اقتدار میں ہیں یا اس کے دوست ہیں تو اس کی ہر برائی اچھی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں کرتے تھے۔ بھلائیوں کی تائید کرتے اور تحسین کرتے تھے۔ اچھائیوں پر شاباش دیتے اور انعامات سے نوازتے۔ اور حوصلہ افزائی کرتے نیکیوں اور اچھائیوں کی۔ اگر برائی دیکھتے، قبیح دیکھتے، غلط کام دیکھتے تو اس کی تقبیح کرتے۔ اس پر آنکھیں بھی بند نہ کرتے۔ اچھے کو اچھا کہنا اور برے کو برا کہنا۔ اگر یہ دونوں پہلو ہیں۔ تو پھر اعتدال میں ہیں آپ۔ اور آپ کی بات کا اثر بھی ہوگا۔ ورنہ لوگ کہیں گے تو تعصب کی وجہ سے ہر وقت ڈنڈا اٹھائے ہوتے ہے اور اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

ویحسن الحسن نیکیوں کی تحسین فرماتے اور اس کو مضبوط کرتے۔ ویقویہ ویقبح القبیح اور برائیوں

اور قباحتوں کی تقبیح فرماتے ۔ دیوھیہ اور اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے کہ برائی کمزور ہو جائے اگر مٹ نہ سکے ۔ تو کچھ اس پر ضرب لگا دو ۔ کسی حد تک تو اس کو کنٹرول کر دو ۔ کچھ بریک تو اس کو لگا دو دیوھیہ معتدل الامر خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ سارے معاملات میں اعتدال میں تھے ۔ میانہ روی ہوتی تھی اور بے اعتدال زندگی نہیں تھی غیر مختلف اور متوازن شخصیت تھے اس کا معنی یہ ہے کہ ہر معاملہ توازن میں تھا نہ کہ تلون اور گڑبڑ کہ آج کیا کہا اور کل دوسری بات ۔ اور بات کے بھی پکے تھے ۔ بعض آدمی ہوتا ہے صبح کو ایک فیصلہ کرتا ہے شام کو پھر دوسرا ، دوپہر کو دوسرا ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب کان کے کچے ہیں ۔ اس کی یہی صورت ہے کہ رائے پر قائم نہیں رہ سکتا ۔ ایک بات کر لیتا ہے بیچارہ ۔ دوسرا ملاقاتی آیا ۔ اس نے اس کا دماغ اُدھر بدل دیا ، تیسرا آیا اُدھر ۔ حضورؐ میں ایسی بات نہیں تھی غیر مختلف پھر جب عزم کر لیا ، ایک معاملے کو طے کر لیا ۔ پھر اختلاف نہیں ہوتا تھا ۔ متلون مزاجی نہیں تھی حضورؐ میں اور توازن تھا حضورؐ میں ۔

اختلاف اپنے اقوال میں فیصلے میں پھر وہ محسوس نہیں کرتے تھے ولا یغفل مخافۃ ان یغفلوا حضور کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے تھے ۔ اگر حکمران اور حاکم اور اصلاح کرنے والا لمبی تان کر سو جائے تو امت تو خود بخود غافل ہو جائے گی ۔ وہ کب بیدار ہو گی ۔ اور اگر حکمران بے غم اور بے فکر ہے اور ادھر روس کیا کیا منصوبے بنا رہا ہے ۔ سرحدات کے اندر کیا اور سرحدات کے باہر کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں اس سے بے خبر ہو جائے تو قوم اور رعایا کب بیدار رہ سکے گی ۔ ہمارے عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا ایک لطیفہ ہے ۔ عجیب شخصیت تھے بڑا انقلابی انسان ، عظیم کام کیا ۔ امیر شریعت ان کو کہتے تھے ۔ تو یہ عوام دیہاتی زمیندار وہ امیر شریعت وغیرہ ۔ الفاظ کو تو جانتے نہیں ۔

حضرت شاہ صاحبؒ بیچارے اس فکر میں لگے رہے ۔ جیلوں اور ریلوں میں زندگی گذاری اور پورے برصغیر میں شاہ صاحب کی زندگی اسی دین کی تبلیغ اور ختم نبوت کی اشاعت میں گذری ۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا ۔ میں نے ان سے خود یہ لطیفہ سنا تھا ۔ کہ ایک دفعہ میں ایک جگہ سویا ہوا تھا اور دینی درد یہ چوٹ مجھے اس بات سے پڑی کہ اب آرام نہیں آتا کہ میں سویا ہوا تھا تو ایک دو دیہاتی زمیندار قسم کے لوگ آئے ملنے کے لئے ۔ انہوں نے جھانک کر دیکھا تو کہا کہ "شریعت سُتی پئی اے" ان کو شریعت اور امیر شریعت کا فرق نہیں تھا ۔ دیہاتی لوگ تھے پنجابی زبان تھی ۔ انہوں نے کہا کہ شریعت سُتی پئی اے ۔ کہ شریعت تو سوتی پڑی ہے ۔ اب شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے سن لیا تو اس جملے سے مجھ پر ایسی چوٹ لگی کہ گویا کسی نے چھرا گھونپ دیا ہو ۔ میں نے اللہ کی طرف سے یہ بات سمجھ لی کہ اچھا اگر ہم اسی طرح لمبی تان کر سو جائیں اور غافل ہو جائیں اور عیش و عشرت میں لگ جائیں تو پھر تو ساری شریعت سو جائے گی ۔ اگر مولوی بالکل بے فکر ہو گیا ۔ معاشرے سے تو شریعت کا کیا ہو گا ۔ ایک حکمران اپنے

علاقے میں ضلع میں دروازہ بند کردیا کہ چلو یار چھوڑو تو کیا حالت ہوجائے گی۔

توحضورؐ کے بارے میں فرمایا کہ ولا یغفل مخافۃ ان یغفلوا غافل نہیں ہوتے تھے۔ حضورؐ کسی لمحہ بھی کہ سارے لوگ بھی غافل ہوجائیں گے لکل حال عندہ عتاد ہر کام کے لئے آپ کے ہاں ایک خاص انتظام تھا ہر چیز کے لئے حضورؐ کا ایک ٹائم ٹیبل تھا۔ مختاط نظام لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس منٹ پر جاگتے ہیں اس منٹ پر سوتے ہیں۔ اس منٹ پر باہر تشریف لاتے ہیں۔ یعنی ہر چیز میں ڈسپلن لکل حال عندہ عتاد سفر ہو یا حضر جنگ ہو یا امن لا یقصر عن الحق ولا یجاوزہ حق کہنے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے اور نہ حق سے تجاوز کرتے۔ خود بھی حق کے حدود متعین تھے۔ لیکن ایک لمحہ اس سے متجاوز نہیں ہوتے اور نہ کسی اور کو حق تجاوز کرنے کا دیتے تھے تو امر حق میں کسی طرح کوتاہی نہ تھی نہ حد سے تجاوز فرماتے۔

الذین یلونہ من الناس خیارھم جو حضورؐ کے زیادہ قریب تھے۔ بیٹھنے میں اور تعلقات اور دوستی میں وہ لوگ ہوتے تھے جو نیک ترین ہوتے تھے۔ سامنے جو ہوتے بہترین اور خیر اور دینی لحاظ سے علمی لحاظ سے اخلاقی لحاظ سے اونچا مقام رکھتے تھے وہ قریب ترین ہوتے تھے حضورؐ نے درس میں بھی یہ حکم دیا تھا لیلنی منکم اولوا الاحلام والنہی جو ذہین ہیں جو عقل وفکر والے ہیں۔ جو مدبر ہیں وہ مجھ سے قریب ترین بیٹھا کریں۔ کیونکہ ذہین اور عقلمند طلبہ علوم زیادہ حاصل کرسکتے ہیں۔ افضلھم عندہ حضورؐ کی نگاہ میں لوگوں میں اچھا اور افضل اور پسندیدہ کون ہوتا؟ کیا یہ معیار تھا کہ جس کی موٹریں بہت ہوں۔ یا کارخانہ دار ہو۔ یا بہت بڑا افسر ہو۔ یا کوئی سرکش غنڈہ ہے۔ طاقت والا ہے۔ بدمعاش ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ہم تو ایسی لوگوں کو دوست بناتے ہیں۔ حضورؐ کی نگاہ میں افضلیت کا معیار تھا کہ جو اعمھم نصیحۃ کہ جس کی خیر خواہی جتنی زیادہ وسیع ہوتی۔ مخلوق میں جو لوگوں میں بہت زیادہ خیرخواہی کو پھیلاتا۔ جس کا خیر زیادہ پہنچتا تھا۔ جس کا خیر عام ہوتا تھا۔ وہ حضورؐ کے زیادہ قریب ترین ہوتے۔ نصیحت کہتے ہیں خیر خواہی کو۔ تو مخلوق کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے جو زیادہ دوڑ دھوپ کرتا تھا، جو زیادہ محنت کرتا تھا جس کا فیض زیادہ پہنچتا تھا۔ وہ حضورؐ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل ہوتا۔ واعظمھم عندہ منزلۃ احسنہم مواساۃ وموازرۃ اور حضورؐ کی نگاہ میں افضل انسان، اونچا انسان وہ ہوتا تھا قدر و منزلت کے لحاظ سے جو ان سب لوگوں میں اچھا ہوتا تھا غم خوارگی کے لحاظ سے۔ مواساۃ غم گساری کو کہتے ہیں۔ اور مازرۃ کسی کے دکھ درد میں ہاتھ بٹانے اور مدد کرنے کو کہتے ہیں۔ ازر پیٹھ کو کہتے ہیں کہ اشدد بہ ازری اور جو شخص لوگوں کے دکھ درد کو اپنے اوپر اٹھاتا ہے۔ اور ہمدردی کرتا ہے غمگسار ہے۔

مواسات کہتے ہیں کسی کی تکلیف میں محتاجی میں اور غربت میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔ تو ایسا شخص حضورؐ کی نگاہ میں اونچا مقام رکھتا تھا۔ قال فسألتہ عن مجلسہ پھر حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ابا سے پوچھا کہ حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں آتے تو نشست وغیرہ کا انداز کیسا ہوتا۔ آج تو ذرا سا کہیں عہدے والا یا افسر ہے یا دنیا دار ہے تو ہنگامہ مچتا ہے کہ اس کے لئے الگ سیٹ مخصوص ہے۔ اس کے آتے جاتے لوگ اٹھتے بیٹھتے رہتے ہیں اور ہٹو بچو کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ شان و شوکت اپنے لئے ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے۔ جب کہ آپ سربراہ مملکت ہو گئے۔ اور یہ سارے پروٹوکول ہم نے جو اپنے لئے مصنوعی بنا رکھے ہیں اور اپنی رعایا کے درمیان اتنے بڑے بڑے حجاب اور دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔

اور جو بیوروکریسی کا نظام ہم نے بنایا ہے۔ یہ سب چیزیں اپنے لئے حضورؐ پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جب صحابہ ان کے لئے اٹھتے تھے تو حضور فرماتے لا تقوموا کما تقوم الاعاجم وہ اس پر خوش نہیں ہوتے تھے کہ لوگ میرے آنے پر اٹھتے ہیں جیسے عجمی لوگ اٹھتے ہیں اس طرح سلامیں اور سلوٹیں مزاج مبارک کے خلاف تھیں غالب شان شانِ عبدیت تھی۔ حضورؐ کی عظمتیں آسمانوں تک، عرش تک پہنچتی تھیں۔ لیکن شان و شوکت کسی چیز میں پسند نہیں۔ راستہ میں حضورؐ کے ساتھ چلتے صحابہ کہتے ہیں کہ یہ شان و شوکت ضروری نہیں تھا کہ وہ آگے چلیں اور ہم پیچھے پیچھے بلکہ کبھی ہمارے ساتھ ساتھ چلتے کبھی اتفاقاً آگے چلتے کبھی پیچھے پیچھے چلتے۔ کسی سفر میں جب قافلہ کسی منزل پہ ٹھہر جاتا۔ تو جب صحابہ کام کاج میں لگ جاتے۔ تو صحابہ کہتے ہیں کہ ہم منع کرتے لیکن حضورؐ بھی ہمارے ساتھ کام میں لگ جاتے تھے۔ لکڑی جمع کر رہے ہیں۔ لکڑی جلا رہے ہیں۔ پانی بھر کر لا رہے ہیں۔ سب کاموں میں صحابہ کے ساتھ شریک ہیں۔ کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ تو اب جب منزل یعنی کسی مجلس میں اور نشست گاہ میں تشریف لاتے اور اٹھنا بیٹھنا ہوتا تو وہ کیسے ہوتا؟

فقال کان رسول اللہ لا یقوم ولا یجلس الا یذکر اللہ حضورؐ کا اٹھنا اور بیٹھنا سب کچھ اللہ کی یاد کے ساتھ ہوتا۔ اٹھتے تھے کسی مجلس سے اور مجلس برخاست ہوتی تھی تو کہتے تھے سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اس طرح خدا کا ذکر بیٹھنے میں بھی کرتے یا مطلب یہ ہے کہ اٹھنا بیٹھنا سب کچھ اللہ کے کاموں کے لئے دین کے لئے تھا۔ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے تھا۔ یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ واذا انتھی الی قوم جب کسی مجلس میں تشریف لے آتے باہر سے اور لوگ بیٹھے ہوتے پہلے سے جلس حیث ینتھی بہ المجلس جہاں مجلس کا آخری سرا ہوتا وہیں بیٹھ جاتے۔ یہ نہیں کہ لوگوں کے کاندھوں پہ پھلانگ کر آگے جانا اور خصوصی نشست کے لئے خواہ مخواہ پہنچنا بلکہ کسی مجلس میں حضورؐ تشریف لاتے تو جہاں جگہ خالی ہوتی وہیں بیٹھ گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ جہاں وہ بیٹھ گئے تو وہی میر مجلس تھے اور وہی صدارت کی مسند بن جاتی۔

ویأمر بذالک باقی لوگوں کو بھی منع کرتے کہ جب تم کسی مجلس میں آؤ تو خواہ مخواہ ضروری نہیں کہ تم سب لوگوں کے کاندھوں پر پھلانگ جاؤ اور وہاں اپنی مخصوص نشست پر اور اسٹیج پہ اور کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ جہاں جگہ ملے وہیں

بیٹھ جاؤ۔ سب انسان برابر ہیں۔ اس کو تخطی رقاب کہا گیا ہے جو ناجائز ہے۔

یعطی کل جلسائہ بنصیبہ جتنے مجلس میں شرکا ہوتے تھے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ حصہ پہنچ جاتا تھا۔ ہر ایک کا حق ادا کرتے تھے۔ ہزاروں لوگ آچکے ہوتے ہیں۔ یا مثلاً ایک وفد آتا ہے آٹھ دس افراد ایک ان میں سرکردہ ہوتا ہے تو ہم متوجہ ہو جاتے ہیں صرف اس کی طرف سارا خطاب اسی طرف ہوتا ہے۔ ساری بات چیت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضورؐ کی یہ عادت نہیں تھی۔ مجلس کے ہر شریک کو کچھ نہ کچھ توجہ مل جاتی تھی۔ وہ یہ کہ مثلاً ایک سے پوچھا آپ کی طبیعت کیسی ہے پھر دوسرے سے آپ کا مزاج تو ٹھیک ہے؟ آپ نے کھانا کھایا ہے۔ آپ کے بچے کیسے ہیں۔ تو ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ میرے ساتھ حضورؐ نے بات چیت کی۔ مزاج پرسی اور خیر خیریت دریافت کرتا توجہ ہر ایک کی طرف مبذول فرماتے۔ ہزاروں لوگوں کا آنا جانا اور وفود کا یہ نہیں کہ ایک لیڈر ہے۔ بس وہی بات کرے اور اس کی طرف توجہ ہو گئی باقی اس طرح محروم رہے۔ حضورؐ تو رحمت اللعالمین تھے شفقت اور رحمت کا مجسمؐ۔ تو ہر ہم نشین جو مجلس میں بیٹھا ہوا ہوتا تو اس کو حصہ مل جاتا تھا۔

لا یحسب جلیسہ ان احد ااکرم علیہ منہ یہ خاص چیز ہے کہ اخلاق عالیہ کی وجہ سے ہر شخص یہ کہتا تھا کہ میں حضورؐ کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ ہر شخص کہتا تھا کہ میرے ساتھ خصوصی دوستی ہے اور مجھ سے بڑھ کر کوئی ان کو عزیز نہیں تو کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا۔ مجلس کے شرکا میں سے کوئی مجھ سے زیادہ عزیز ہے حضورؐ کو۔ ہر ایک کو یہ خیال ہوگا۔ کہ حضورؐ پر میں بہت گراں ہوں اور میں حضورؐ کو بہت زیادہ عزیز لگتا ہوں۔ یہ معمولی چیز نہیں ہے۔ مکارم اخلاق ہر ایک کے ساتھ ایسا سلوک اور ایسا برتاؤ کہ وہ انسان یہ سمجھے کہ بس میں ہی سب سے محبوب اور مقرب ہوں۔

من جالسہ اوخا وزہ فی حاجتہ صابرہ حتیٰ یکون ھو المنصرف اگر کوئی شخص حضورؐ کے پاس آکر بیٹھ گیا مہمان اوفاوزہ فی حاجتہ یا کسی معاملہ میں اور ضرورت لے کر حضورؐ کے پاس چلا آیا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مصروفیات تھے ایک طرف امور مملکت ہیں جہاد کے امور ہیں مسلمانوں کے حالات تجاویز و مشورے عبادت گھریلو مسائل۔ ہزاروں وفود کا آنا جانا ایسے شخص کا تو ایک ایک منٹ قیمتی ہوتا ہے۔ لیکن ادھر حیا کا یہ عالم ہے اور اخلاق اتنے اونچے ہیں کہ ایک شخص بھی اگر آکر بیٹھ گیا دھرنا مار کر بعض آدمی آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اس کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں کتنے عظیم شخص کے پاس بیٹھا ہوں وہ تو اپنے گپ شپ میں لگا رہتا ہے۔ اور پھر سمجھتا ہے کہ چلیے آج ہی موقع ملا۔ تو عموماً لوگ تو جلدی سے کہہ دیتے ہیں کہ دو منٹ ہیں ملاقات کے۔ ادھر گھنٹی بجاتے ہیں کہ بس اٹھو۔ مگر حضورؐ کو ہم سے زیادہ ہزاروں ذمہ داریاں تھیں۔ اور ضروریات اور مسائل تھے۔ مگر خود یہ نہیں کہتے تھے کہ چلیے مجلس برخاست ہے۔ پریشانی بھی ہوتی تھی سب کچھ لیکن مروت حیا

جہ سے جب تک وہ بیٹھا رہتا تھا۔ حضورؐ بھی اپنے نفس پہ قابو رکھتے۔
صابرہ کے لفظ میں یہ سب کچھ موجود ہے کہ مشکل کام ہے لیکن صبر کرتے تھے۔ سخت حالات پر بھی صبر جب
ملاقاتی نہ کہتے کہ میں جاتا ہوں تو حضورؐ نہیں کہتے تھے کہ چلیے جناب میرے اور بھی تو کام ہیں۔ کسی نے اگر ہاتھ
حضورؐ کے ساتھ تو حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ خود ہاتھ نہیں کھینچتے۔ جب تک اس نے ہاتھ نہیں کھینچا
حسوس نہ کرے کہ ان کے ہاں میری اہمیت نہیں۔ تو اپنے نفس کو روکے رکھتے تھے کہ جب تک وہ خود چلا نہ جائے
ڑ کر نہ جاتے۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک اور پیشانی پر کوئی بل بھی نہ آتا۔ کہ بس ہے نا آپ کا کام ہو گیا اب چلو۔
ایک بڑھیا نے آواز دی کہ میرا ایک کام ہے تمہارے ساتھ۔ بوڑھی عورت تھی حضورؐ نے کہا۔ اے ماں کے
ہیں گلی میں تو مجھے پکارے گی میں خود پہنچ کر آ جاؤں گا۔ رات کو بلائے گی دن کو بلائے گی جس جگہ تمہارا گھر
بس مجھے اطلاع دینے کی ضرورت ہے۔ تکلیف مت کیا کرو آنے کی میں خود پہنچ جاؤں گا۔

ومن سأله حاجة لم يرده الا بها اگر کسی شخص نے کوئی چیز مانگی کوئی حاجت لے کر آیا۔ کوئی مسئلہ لے
یا۔ حضورؐ کوشش کرتے کہ وہ اس کی حاجت پوری کر کے اسے واپس کر دے۔ اسے رد نہیں کرتے تھے۔ مگر اس
ت کے ساتھ۔ بغیر مقصد برآری کے اس کو نہیں چھوڑتے تھے۔ گھر میں جو بھی ہے اس کو دے دی۔ کسی نے کپڑے
گے۔ کسی نے کھانا مانگا۔ تو جو بس میں ہوتا تھا وہ دے دیتے۔ اور بعض وقت انسان کے بس میں نہیں ہوتا کچھ
یا وہ حاجت اور ضرورت اس کی صحیح نہیں ہوتی۔ مطالبہ غلط ہوتا ہے یا پورا نہیں کر سکتے ہیں تو پھر ڈانٹ ڈپٹ
ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ مگر آپ ہرگز ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ او بمیسور من القول جب کچھ نہ ہوتا تھا تو
ر اور محبت کی باتوں کے ساتھ اس کو رخصت کرتے تھے۔ نرمی اور یسر کے ساتھ ان کو سمجھا دینا۔ کہ یہ چیز
سے بس کی نہیں ہم پوری کر سکتے ہیں اور اس کو اچھے طریقے سے واپس کر دینا قد وسع الناس بسطہ
لقہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ کی بشاشت اور رحمت اور کھلی پیشانی تمام عالم کو وسیع ہو گئی تھی۔ اس نے
یا سارے بنی نوع انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ ان کے اخلاق اور ان کی بشاشت ساری مخلوق کو سمو چکی تھی
ی اس سے محروم نہیں رہا۔

فصار لهم ابا حضورؐ تمام بنی نوع انسانیت کے لئے باپ کی طرح بن گئے۔ وصاروا عنده فی الحق سواء اد
رے انسان حضورؐ کی نگاہ میں حقوق کے لحاظ سے برابر تھے۔ یہ نہیں کہ ایک کا حق تو پورا ہو جائے اور دوسرا محروم رہے
میرا قریب ہے یا عزیز ہے اس کے تعلقات ہیں اس کی دوستی ہے۔ اگر کسی کا کوئی حق ہے تو سارے انسان ان کے نگاہ
بالکل برابر ہیں۔ یعنی کوئی ترجیح اور کسی کو محروم کرنا اور کسی کو نوازنا کسی کو دینا یہ نہیں تھا۔
جلس کیا تھی مجلسہ مجلس علم لوگوں کی حجروں میں اور بیٹھکوں میں جو یہ گپ شپ یہ ہنگامے اور یہ خرافات

ہوتے ہیں۔ تو یہ باتیں نہ تھیں بلکہ حضورؐ کی مجلس اور صحابہ کی مجلس مجلسؐ علم علم کی مجلس تھی وحیا، حیا اور شرافت کی مجلس تھی وصبر اور صبر کی مجلس تھی۔ یعنی بے صبری تو یہ ہوتی ہے۔ ایک بات کرتا ہے، ابھی اس نے بات ختم نہیں کی دوسرا شور مچاتا ہے۔ ایک کہتا ہے میں پوچھتا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے میرا پہلے حق ہے۔ اور ایک کہتا ہے میں تنگ ہوگیا ہوں بابا، باہر جاتا ہوں۔ تو یہ کوئی صورت نہیں تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے۔ حضورؐ کے ہاں قطع کلامی نہیں تھی جب ایک صحابی بات کرتا تھا تو سارے خاموش سے سنتے تھے۔ ایسی پارلیمنٹ اور ایسی اسمبلی اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہاں قطع کلامی نہیں ہوتی تھی۔ وہ غصے میں آپے سے باہر ہوکر ایک آدمی دوسرے پر نہیں حملہ کرتا۔ گالی گلوچ نہیں۔ کرسیاں نہیں چلتیں۔ جو کچھ یہ کی اسمبلیوں میں دیکھتے ہیں آپ۔ اور طعن و تشنیع و تنقید اور ہر ایک بے صبری میں لگا رہتا ہے۔ یہاں ہر شخص مہ میں ہے۔ اور وقار ہے۔ حقیقت میں یہ پارلیمنٹ ہے۔ بڑے بڑے مسائل ہیں اور اس پارلیمنٹ کی یہ حالت ہے وامانۃ اور وہ امانت کی مجلس ہوتی تھی یعنی المجالس بالامانۃ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ مجلسیں بھی ایک امانت ہیں۔ مال و دولت سونا چاندی یہ امانت ہیں۔ تو ہر مجلس ایک امانت ہے۔ امانت میں خیانت کرنا عظیم ہے۔ تو مجلس میں ہزاروں باتیں پیش آتی ہیں۔ ایک نہ ایک کی خامیاں سامنے آجاتی ہیں۔ آپ مجھے مجلس میں کسی کا راز اور کسی کا مسئلہ بتلا دیتے ہیں۔ اور میں اسے آؤٹ کردوں۔ یہ میں نے گویا امانت میں خیانت دی۔ مجلس کی باتیں باہر نہیں پھیلائی جاتیں۔

لا ترفع فیہ الاصوات آوازیں اس مجلس میں اس پارلیمنٹ میں ایک دوسرے پر نہیں اونچی ہو تھیں۔ یعنی ایک باتیں کر رہا ہے دوسرا اس سے زور زور سے چیخ کر بولتا ہے کہ پہلے مجھے باری دو اور آوازیں کسی جاتی ہیں تو اس میں آوازیں ایک دوسرے پر نہیں کسی جاتیں کہ ایک دوسرے پہ آواز بلند کی جاتی کہ میری تقریر یہ لوگ سن لیں۔ اور دوسرے کی آواز دب جاتے۔ موجودہ دور کی اسمبلیوں والی صورت نہ تھی۔

ولا تؤبن فیہ الحرم عزت اور آبروئیں ایک دوسرے کی داغدار نہیں کی جاتی تھیں۔ اس کی حرمت پر دست درازی اس کی حرمت پہ دست درازی اور زبان درازی سے ہر ایک کی عزتوں، عصمتوں، آبروؤں کو داغدار بنانا اسے تابین کہتے ہیں اس مجلس میں عیب جوئی اور نکتہ چینی نہیں کی جاتی تھی۔ آپس میں ایک دوسرے کی عزت اور حرمت پر۔

ولا تنثیٰ فلتاتہ لغزشیں ہر مجلس میں ہوتی ہیں کوتاہی ہر انسان سے ظاہر ہوتی ہے تو مجلس کی لغزشیں دبا دی جاتی تھیں۔ یہ نہیں کہ ہم نے ایک خامی یہاں ایک مجلس میں دیکھی اور پھر باہر اس کو پھیلاتے رہے دہراتے رہے گویا اس کے پھیلانے کو نثو کہتے ہیں۔ تو اس مجلس کی لغزشوں کو کسی کی سبقت لسانی کی وجہ سے غلط لفظ نکل گیا مثلاً

ں سنے یا اور کوئی شرمناک قسم کا کام ہو گیا انسان سے ، کسی ساتھی سے مجلس میں اب سارے باہر ڈھول پیٹ رہے
جگہ جگہ کہ فلاں نے اس مجلس میں ایسی حرکت کی ۔ کوئی لغزش کوتاہی تقریر میں عمل میں کوئی کسی سے ہوتی تو وہیں دب
ی تھی ۔ اس کمرے سے باہر وہ بات نہیں پھیلائی جاتی تھی ۔

متعادلین آپس میں بالکل عدل و انصاف کرنے والے ۔ ایک دوسرے کو بہتر سمجھنے والے نہ یہ کہ دوسرے کو
سمجھے ۔ حسب اور نسب کے لحاظ سے ۔ کسی کو اونچا سمجھنا کسی کو نیچا سمجھنا یہ مال و دولت میں اونچا ہے یہ فسٹ
س ہے اور یہ سیکنڈ کلاس ہے ۔ یہ تھرڈ طبقہ ہے تو یہ چیزیں نہیں تھیں ۔ سب متعادلین تھے دولت اور مادی
زوں کے لحاظ سے یہ امتیازات قائم نہیں کرتے تھے سب صحابہ برابر یتفاضلون فیہ بالتقوی ایک دوسرے
ان پر فضیلت تھی احترام کیا جاتا تھا ۔ اور اہمیت تھی تو تقویٰ کے لحاظ سے جو اللہ سے ڈرتا تھا اور اس میں خوف
اوندی ہوتا تھا ۔ اس کو فضیلت تھی اور اس کو کلاس ون سمجھا جاتا تھا ۔ اور کوئی حیثیت درجوں کی نہیں بنتی تھی ۔

یوقرون فیہ الکبیر اس پارلیمنٹ اور مجلس میں احترام کیا جاتا تھا بڑوں کا کوئی بوڑھا آتا ہے کوئی معمر
ہے بزرگ آتا ہے ۔ تو حضورؐ نے خاص اہتمام سے بڑوں کے آداب بیان کئے ہیں ۔ ہر چیز میں ان کو اہمیت دو ۔ ان
عزت کرو اور فرمایا من لم یوقر کبیرنا فلیس منا دوسری جگہ فرمایا کہ جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت
ی اور بڑوں کی عزت نہ کی تو ہم میں سے نہیں ۔ تو یہاں صحابہ سب ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے ۔ اور بڑوں
خاص احترام تھا ۔ ویرحمون فیہ الصغیر اور جو چھوٹے ہوتے تھے ان پر رحم اور شفقت فرماتے تھے
صحابہ اس مجلس میں ویؤثرون ذالحاجۃ اور اگر کوئی محتاج ہو ضرورت مند ہو تو اس کو ترجیح دیتے تھے ۔ ایک
شخص آیا ہے کہ وہ حاجت والا ہے یا اس کی حاجت فوری ہے وہ ایمرجنسی کیس میں مبتلا ہے ۔ اور پریشانی میں ہے
ہ کہتے تھے کہ بھائی تم چپ ہو جاؤ ۔ پہلے اس کا نمبر ہے اس کی ضرورت پہلے ہے ۔ اب جو پہلے سے صحابہ ہیں وہ
یکھ لیتے ہیں کہ اس کی حاجت زیادہ ہے اور اہمیت اس کی زیادہ ہے ۔ تو فیصلہ کرتے تھے کہ یہ اپنا معاملہ پہلے پیش
ر دے ۔ کیونکہ محتاج ہے اس کی ضرورت ہے بعد میں ہم کر لیں گے ۔

ویحفظون الغریب اور جو پردیسی اس مجلس میں آجاتا تھا ۔ اور اجنبی اور مسافر اور نئے لوگ ان کی
وری نگہداشت اور حفاظت کرتے تھے ۔ یعنی ان کے آرام و راحت کی ، پھر اس مجلس کے بعد پردیسی کے لئے
کھانے کا انتظام کرنا ۔ گھروں میں لے جانا ان مسافروں کا خاص اہتمام ہوتا تھا ۔ یا یہ مقصد بھی ہے کہ صحابہ تلاش
میں ہوتے تھے ۔ کہ کسی پردیسی کو پکڑ لائیں کسی اعرابی کو ۔ صحابہ حضورؐ کے ساتھ بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے
لیکن ادب و عظمت اور حرمت ایسی تھی جو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ جیسے صحابہ کو اور دیہاتی اور گنوار قسم کے
لوگ تو سیدھے سادے تھے ۔ تو اگر کوئی ایسا آتا ملاقات کے لئے مدینے تو بہت خوش ہو جاتے تھے کہ آج کچھ
(باقی صـ ۴۰ پر)